حبیب تنویر کا آگرہ بازار کا تنقیدی جائزہ

محمد التمش، ریسرچ اسکالر
شعبۂ اردو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
گچی باولی، حیدرآباد، ۵۰۰۰۳۲

ڈراماادب کی ایک قدیم اور مقبول صنف ہے اسے دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہے۔صنف ڈراما کو یہ مقبولیت ارسطواور بھرت منی کے پیش کردہ توضیحات اور ان کے ذریعہ بنائے ہوئے ڈرامے کے اصول اور ضوابط کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ڈرامے سے تعلق رکھنے والے تمام کلاسکی ادیبوں نے ڈرامے کے انھیں اصولوں کواپنے ڈراموں میں استعمال کیا۔خودمغرب میں بھی زمانۂ قدیم سے ادیبوں نے ارسطو کی پیش کردہ اصولوں پرعمل کیا لیکن انیسویں صدی کی دوسری دہائی میں جرمنی کے مشہور ڈراما نگار برتولت بریخت نے ارسطو کے بنائے ہوئے اصولوں سے انحراف کرتے ہوئے ڈرامے کے ایک نئے اصول 'ایپک تھیئٹر' کے اصول یا تکنیک کوڈراموں میں پیش کیا۔جس کی وجہ سے اسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی اورڈرامے کی دنیا میں ایک نیاانقلاب پیدا ہوگیااور مختلف زبانوں میں بریخت کی اس تکنیک کااستعمال کرکے ڈراما لکھنے کا تجربہ کیا جانے لگا خوداردو میں بھی بریخت کی ایپک تھیئٹر کی تکنیک سے متاثر ہوکرڈرامے لکھے گئے جس کے ابتدائی اثرات ہمیں ترقی پسندادیبوں کے ڈراموں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔لیکن صحیح معنوں میں اردوداں طبقے کو بریخت یا ایپک تھیئٹر کی تکنیک سے س متارف کرانے والوں میں سب سے اہم اور مقبول نام حبیب تنویر کا ہے۔ان کا ڈراما' آگرہ بازار'اردو کاوہ پہلا ڈراما ہے جس میں ایپک تھیئٹر کی تکنیک کوسب سے پہلے پیش کیا گیا ہے۔اسی ڈرامے کے ذریعہ حبیب تنویر نے اردو میں باقائدہ ڈراما نگاری کی شروعات کی ہے۔

آگرہ بازار جدید ہندوستانی تھیئٹر یااردوڈرامے کی تاریخ میں وہ میل کا پتھر ہے

جہاں سے اردو ڈراماں جدیدیت کے ایک نئے دور کے سفر کی شروعات کرتا ہے۔ یہ ڈراما کلاسکی اور جدید ڈراموں کے بیچ جو خلیج ہے ان کو پر کرنے والا ڈراما ہے۔ ڈراما آگرہ بازار ڈرامے کی چلی آ رہی کلاسکی روایت کے ڈھانچے کا خیال نہ رکھتے ہوئے ایک انوکھی رسم ورواج میں لکھا گیا ڈراما ہے۔ اس ڈرامے کو کلاسکی اور جدید ڈرامے کے بیچ کی کڑی مانا جاتا ہے کیوں کہ اس میں کلاسکی ڈرامے کے ساتھ ساتھ جدید ڈرامے کی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔ بریخت کے ایپک تھیئٹر کی مغربی تکنیک کے استعمال کے باوجود تھیئٹر کی ہندوستانیت یا قومیت کیا ہوسکتی ہے وہ آگرہ بازار نے کر دکھایا ہے۔ بیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں جب بنیادی تھیئٹر کا نعرا بلند ہوا تب بھی آگرہ بازار مرکز میں آیا۔ سال در سال گزر جانے کے باوجود اس کا اسٹیج پر پیش کرنے والا تاثر نہیں کھویا جسے اتنے سالوں تک قائم کرنا مشکل تھا کیوں کہ اسٹیج پر پیش کرنے میں باقی رہنے والا تاثر زمانہ گزرنے کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے لیکن آگرہ بازار کے ساتھ ایسا بالکل ہی نہیں ہے۔ کیوں کہ زمانہ بدلنے کے ساتھ ساتھ حبیب تنویر نے اس کے پلاٹ اور قصوں میں بہت ساری تبدیلیاں لا کر اسے اور بھی دلچسپ اور بامعنی بنادیا ہے۔

آگرہ بازار پہلی بار ایک بابی ڈرامے کی حیثیت سے مارچ ۱۹۵۴ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی جانب سے جامعہ ملیہ کے اسٹیج پر پیش کیا گیا جسے حبیب تنویر نے جامعہ ملیہ کے اساتذہ، طالب علموں اور اوکھلا گاؤں کے دیہی اداکاروں کو ایک ساتھ ملا کر بیک وقت تقریباً ۷۵ آدمیوں کے ذریعہ اسٹیج کیا تھا۔ بعد میں اسے قدسیہ زیدی اور دوسرے لوگوں کی فرمائش پر دہلی شہر کے کچھ اور علاقوں جیسے رام لیلا میدان اور ایسٹرن کورٹ وغیرہ جیسی جگہوں پر بھی پیش کیا گیا۔ ابتداء میں یہ ڈراما مشکل سے ایک گھنٹے کا تھا جو ککڑی والے کی کہانی کے ارد گرد گھوتا تھا لیکن ۱۹۶۹ء میں ڈرامے کی خدمات کے لیے سنگیت ناٹیہ اکادمی انعام سے نوازے جانے بعد انعامات کی تقسیم کی تقاریب میں آگرہ بازار پیش کیا گیا تو اسے دوبارہ یکجہ کیا گیا لیکن جب ۱۹۷۰ء میں بنیادی تھیئٹر کا نعرہ بلند ہوا تو آگرہ بازار کو دوبارہ پیش کیا گیا اور اسے دو ایکٹ کا بنا کر اس میں مزید ردو

بدل کر کے اوراس میں مکالموں اور نظموں کا اضافہ کرا سے دو گھنٹے کا بنا کر کے پیش کیا گیا۔اس کے بعد ۱۹۷۷ء پھر ۱۹۸۹ء اور آخری بار اکیسویں کے ابتدا میں اسے باقائدہ طور پراسٹیج پر پیش کیا گیا لیکن ہر بار اس کے قصے میں ترمیم واضافہ ہوتا رہا۔ کتابی شکل میں بھی آگرہ بازار کئی بار شائع ہوا سب سے پہلے آزاد کتاب گھر دہلی نے ۱۹۵۴ء میں اسے شائع کیا اور اس کا دوسرا اڈیشن ۱۹۹۲ء میں منظر عام پر آیا۔ ۱۹۹۸ء میں محمد حسن نے اپنی کتاب اردو ڈراموں کا انتخاب میں آگرہ بازار کو شامل کیا۔لیکن انھوں نے آزاد کتاب گھر کے پہلے ہی اڈیشن کو اپنے انتخاب میں شامل کر کے پیش کیا تھا۔آگرہ بازار کی مکمل اشاعت ۲۰۰۴ء میں ایجوکیشنل پلینگ ہاوس دہلی کے ذریعہ ہوئی یہ اڈیشن ہر لحاظ سے مکمل ہے اس میں اتنی ہی نظمیں اور مقالمے ہیں جو اسٹیج پر پیش کیے جاتے ہیں۔ڈراما آگرہ بازار کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر عطیہ نشاط لکھتی ہیں کہ:

''حبیب تنویر کا آگرہ بازار ۱۹۵۴ء میں لکھا گیا۔اور یوم نظیر کے موقع پر جامعہ ملیہ کی طرف سے ۱۴ مارچ ۱۹۵۴ء میں جامعہ ملیہ میں کھیلا گیا۔ کسی ڈرامے کی مقبولیت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی کافی ہے کہ ۱۶ برس کی مدت میں وہ پچاس بار اسٹیج پر پیش کیا جا چکا ہے۔''(۱) ڈاکٹر عطیہ نشاط، اردو ڈراما روایت اور تجزیہ، نصرت پبلشرز لکھنؤ ۱۹۷۳ء ص ۲۸۳

آگرہ بازار حبیب تنویر کا ایک نیم تاریخی اور معاشرتی ڈراما ہے جو نظیر اکبرآبادی کی ۱۶ نظموں پر مشتمل ہے۔جس میں نظیر اکبرآبادی کے دور کی سماجی، سیاسی اور معاشی صورت حال کو پیش کیا گیا ہے۔انیسویں صدی کا یہ دور ہندوستانی تاریخ میں ادبی، مذہبی اور ثقافتی نقطۂ نظر سے تبدیلی اور بدلاؤ کا دور مانا جاتا ہے۔ اس دور میں ہندوستان کی عوام پریشان حال، سبھی راجا اور نواب عیاشیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ شاعر اور ادیب توہم پرستی، تساہل اور تعصب کا شکار تھے۔عوام میں مفلسی، بے روزگاری اور فاقہ کشی وغیرہ بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔نظیر اکبرآبادی نے اپنی نظموں کے ذریعہ سماج کے اسی حصے کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔لیکن اسی دور میں سماج

کاایک خاص طبقہ ادب میں ایک خاص قسم کی نفاست اور نذاکت چاہتا تھا جبکہ نظیر کوادب میں نفاست اورنذاکت بالکل پسندنہیں تھی وہ سلاست،صاف گوئی اورسادگی کے شاعر تھے انھوں نے ادب کے قائم کردہ عقائد کوخارج کر کے عام لوگوں کے لیے شاعری کی ۔جس کی وجہ سے اس دور کے ادیبوں اور شاعروں نے ان کی شاعری کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور محض تکبندی کہہ کرٹال دیا لیکن عوام نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیااور آج تک اسے زندہ رکھا۔نظیر کی زندگی کی اسی سچائی کو بنیاد بنا کر حبیب تنویر نے آگرہ بازارڈرامے کی تخلیق کی ہے۔

حبیب تنویر نے آگرہ بازار میں اسٹیج اور ڈرامے کے فن سے متعلق ایک نیا تجربہ کیا تھا اوران کا تجربہ یہ تھا کہ انھوں نے ہندوستانی اورمغربی ڈراموں کے ملاپ سے ایک نئے طرز کے ڈرامے کی تکنیک کوجنم دیا انھوں نے ہندوستانی تھیئٹر میں چلی آرہی ہزاروں سال پرانے لگے بندھے اصولوں سے ہٹاکرکلاسیکی اورمغربی جدید ڈرامے کے بیچ ایک نیاراستہ نکالا۔جس میں بریخت کی ایپک تھیئٹر اور ہندوستان کی کلاسیکی ڈرامے دونوں کی خصوصیات موجود ہیں ۔جس کی سب اچھی مثال ان کا ڈراما آگرہ بازار ہے۔یہ ڈراما کسی اسٹیج کامحتاج نہیں ہےاورنہ ہی یہ ایک نکڑ ناٹک ہےاس میں ڈرامے کی تمام ضروریات اورروایات کاپورا خیال رکھا گیاہےمگراس کے باوجود یہ ایک روایتی ڈرامانہیں ہے۔حبیب تنویر نے اس دڑامے میں نظیرا کبرآبادی کی نظموں کے ذریعے سے انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے کی سماجی،سیاسی اور معاشی صورت حال کا ایک نقشہ پیش کیاہے جونہ صرف اپنے زمانے کی عکاسی کرتاہے بلکہ وہ اس پورے دور کی تاریخ بن کرسامنے آتاہے۔دوسرے یہ کہ حبیب تنویر نےنظیرا کبرآبادی کی شخصیت کونظموں اورمکالموں کے ذریعے اس انداز سے پیش کیاہے کہ ان کی شخصیت کے تمام پہلو بہت ہی خوبصورتی کےساتھ ابھرکرسامنے آسکیں۔ آگرہ بازار کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ نظیراس ڈرامے کے مرکزی کردار ہیں اورڈرامے کا ساراقصہ انہیں کے اردگرد گھومتاہے لیکن خود وہ کبھی اسٹیج پر نمودار نہیں ہوتے ہیں ۔اس ڈرامے کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ ہمیں وہ چیز بھی دکھائی دینےلگتی ہے جو

بظاہر خود اسٹیج پر پیش نہیں کی جاتی ہے۔ڈاکٹر عطیہ نشاط حبیب تنویر کا ڈراما آگرہ بازار کے مقصد کو ظاہر کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

''ڈراما پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حبیب تنویر کے سامنے دو مقصد ایک ساتھ چل رہے ہیں۔ پہلا نظیر کو آگرے کے عوامی شاعر کی حیثیت سے پیش کرنا اور دوسرا آگرے کی زبوں حالی اور اقتصادی زوال کو پیش کرنا۔' '(۲)ڈاکٹر عطیہ نشاط، اردو ڈراما روایت اور تجزیہ ،نصرت پبلشرز ،لکھنؤ ۱۹۷۳ءص ۲۸۴

آگرہ بازار کے قصے میں جس دور کے سماجی ،سیاسی ،تہذیبی اور اقتصادی ماحول کی عکاسی کی گئی ہے اس کا زمانہ ۱۸۱۰ء کے آس پاس کا ہے۔ ڈرامے کا مقام آگرہ کی کناری بازار، وقت ایک دن اور کھیل کی مدت مدت تقریباً دو گھنٹے کی ہے۔اس ڈرامے کے وقت کے انتخاب کے سلسلے میں حبیب تنویر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ڈرامے کا زمانہ لگ بھگ ۱۸۱۰ء کا ہے۔اگر تمام رائے کے مطابق ۱۷۳۵ء نظیر کی تاریخ پیدائش مان لی جائے تو اس زمانے میں نظیر کی عمر کوئی ۷۵ برس کی ہوگی۔ابھی ان کی زندگی کے ۲۰ سال اور باقی تھے۔ ۱۸۳۰ء وفات کا سال ہے۔میں نے ڈرامے کے لئے یہ زمانہ کئی وجوہ کی بنا پر مقرر کیا۔''(۳)حبیب تنویر، دورنگ(آگرہ بازار)ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،نئی دہلی ص ۳۷

۱۸۱۰ء کا یہ زمانہ ادبی،سیاسی،سماجی اور معاشی نقطۂ نظر سے بڑی انحطاط اور تبدیلی کا دور تھا۔میر کی ادبی زندگی اپنے آخری مراحل پر تھی اور غالب کی شاعری کا یہ ابتدائی زمانہ تھا

۔مغلیہ سلطنت برائے نام کی رہ گئی تھی۔ملک میں انگریزوں کا اقتدار روز یادتیاں بڑھتی ہی جارہی تھی دہلی اور آگرہ پر بار بار حملے ہورہے تھے ملک میں ہر جگہ قتل وغارت اور لوٹ مار مچی ہوئی تھی۔شعرا دہلی چھوڑکر لکھنو اور دوسرے علاقوں میں جانے لگے تھے،کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہو چکا تھا اور اردو نثر اپنے ابتدائی مراحل میں چل رہی تھی۔پرانا سماجی ڈھانچہ ٹوٹ رہا تھا چاروں طرف افراتفری اور سیاسی بے چینی پھیلی ہوئی تھی لوگوں کی اقتصادی حالت دن بدن بد سے بدتر ہوتی چلی جارہی تھی۔لیکن اس دور میں نظیر کی شاعری اپنے عروج پر تھی۔ان کی نظموں میں وہ ترقی پسند عناصر موجود تھے جو اس دور کے سماجی،سیاسی اور اقتصادی صورت حال کو بدلنے کی قوت رکھتی تھیں۔اس لیے یہ زمانہ ڈرامے کے پلاٹ کے لیے حبیب تنویر کو زیادہ مناسب معلوم ہوا۔پروڈکشن کے لحاظ سے ڈراما آگرہ بازار کے پلاٹ کو حبیب تنویر نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

”(۱)عوام کا افلاس اور بے روزگاری
(۲)ادیبوں کا تساہل،تعصب اور زندگی سے فرار(۳)چھوٹے پیشہ وروں میں نظیر کی مقبولیت (۴)نظیر کا پیغام۔“

ڈراما آگرہ بازار کو پیش کرنے والی بنیادی چیز فقیروں کے گیت ہیں جو منظر کے بیچ بیچ میں آتے ہیں اور کڑیوں کو جوڑتے ہوئے محرک کا کردار کرتے ہیں۔یہ گیت نظیر کی تصدیق کرنے کے ساتھ ڈرامے کی رفتار کو منظم کرتے ہیں اور کسی خاص جگہ پر روک کر منظر کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔اس ڈرامے کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں بہت سے سین ہیں جو منظر کے اعتبار سے تقسیم نہیں ہیں۔پہلا ایکٹ آگرہ کی صورت حال اور نظیر کے تعارف سے شروع ہوتا ہے جسے فقیر گاتے ہیں اور ککڑی والے کی جدو جہد پر ختم ہوتا ہے۔اور دوسرا ایکٹ نظم بنجارہ نامہ سے شروع ہوکر آدمی نامہ پر ختم ہوتا ہے۔

ڈراما آگرہ بازار کوئی واضح پلاٹ بھی نہیں رکھتا ہے کیوں اس ڈرامے میں نہ تو کوئی

کہانی یا قصہ ہے اور نہ کوئی اہم کردار ہے۔ اس کے علاوہ ڈرامے کے ابتدا میں شروعاتی نشو ونما اور اختتام جیسی کوئی صورت حال بھی نہیں ہے۔لیکن حبیب تنویر نے مغرب کی جدید تکنیک کے ذریعے کچھ چھوٹے چھوٹے واقعات اور نظموں کو جوڑ کر اسے اتنے اچھے انداز میں پیش کیا ہے کہ یہ اس ڈرامے کی ایک خوبی بن گئی ہے۔اس کا ہر قصہ اپنی ایک جداگانہ شناخت رکھتا ہے اور وہ سماج کے کسی نہ کسی پہلو کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔مثلاً آگرہ بازار کے شروع میں شہر آشوب کے بعد جو منظر پیش کیا جاتا ہے اس میں آگرہ کے عوام کی سیاسی وسماجی اور اقتصادی حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس سے معاشی اور کاروباری مندی کا پتہ چلتا ہے۔ مداری کا بندر کے ناچ کے ذریعے تاریخی واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔شاعر نما آدمی، کتب فروش اور تذکرہ نویس کے حوالے سے اس دور کے ادبی، تاریخی اور سماجی زندگی کو پیش کیا ہے۔ککڑی والے اور دوسرے پھیری والے اور پتنگ والے کے کرداروں سے نظیر کی شخصیت اور ان کی عظمت کو پیش کیا ہے۔داروغہ اور بے نظیر کے قصے سے سیاسی کھوکھلے پن اور سماجی برائیوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ڈراما آگرہ بازار کے قصہ کے زمانے اور بازار کے مقام سے ظاہر ہوتا کہ اس میں ڈرامے کی وحدت یعنی زماں ومکاں کا پورالحاظ رکھا گیا ہے۔

ڈراما آگرہ بازار کے دوسرے ایکٹ کے آخری حصے میں جب مداری ریچھ لے کر آتا ہے اس میں یک لخت دور بدل جانے کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے اس سے حبیب تنویر جہاں شعور کی رو کی تکنیک سے استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہیں وہ اس بات کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ جاگیر دارانہ نظام سے نجات حاصل کرکے آزادی کی منزل تک پہنچنے کے باوجود بھی عوام ابھی تک مفلسی اور اقتصادی بدحالی کا شکار ہے۔آدمی نامہ پیش کرکے وہ انسانی برابری اور اشتراکی نظام لانا چاہتے ہیں۔آگرہ بازار میں ایپک تھیئٹر کے اصولوں کو حبیب تنویر نے ہندوستانی فضا میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے جس کا مقصد ارسطالیسی اصولوں کی تائید نہ کرکے جدید ڈراموں کے اصولوں کی پیروی کرنا تھا یہی وجہ ہے کہ اس کے پلاٹ کو پھیلا کر انیسویں صدی

سے آزادی کے بعد تک لے آیا گیا ہے۔ اس ڈرامے میں بریخت کے ایپک تھیٹر کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ بریخت کی طرح حبیب تنویر نے بھی آگرہ بازار کے پلاٹ کی بنیاد انسانی زندگی کی ٹھوس صداقتوں پر رکھی ہے اور ماضی کے واقعات کی بنیاد کو تاریخی شہادتوں کے ذریعہ بنیادی وسائل پر کیا ہے۔ بریخت ہی کے مانندوہ حاضرین کے جذباتی آہنگ کا خیال رکھتے ہوئے کرداروں اور حاضرین کے فاصلے کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔اس ڈرامے کی یہی خصوصیت اسے بریخت کے ڈراموں کے قریب کردیتی ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ظہورالدین رقم طراز ہیں:

> ''التباس حقیقت کو توڑنے کے لئے حبیب تنویر نظیر کی جو نظمیں استعمال کرتے ہیں وہ بیک وقت جذباتی ہم آہنگی کو ختم کرکے غوروحوض کی ترغیب دینے کا کام بھی کرتی ہے۔حبیب تنویروقتاً فوقتاً جہاں ناظرین پر یہ واضح کرتے ہیں یہ بھری زندگی نہیں بلکہ ماضی میں ہوئے واقعات کا بیان ہے وہیں وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ ناظرین اسٹیج پر ہونے والے عمل میں اس قدر کھو جائیں کہ وہ خود کو ہی کردار سمجھنے لگیں۔ چنانچہ تھوڑی تھوڑی وقفے کے بعد وہ کورس کے ذریعہ نظیر کی وہ نظمیں پیش کرتے ہیں کہ جو ایک طرف جہاں زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کی عکاسی کرتی ہیں وہیں دوسری طرف تنقید وتبصرے کا کام کرتے ہوئے ناظرین کو واقعات کے بارے میں سوچنے کی تحریک کا کام بھی انجام لاتی ہے۔'' (۴) ڈاکٹر ظہورالدین، جدید اردو ڈراما، ادارہ فکر جدید، نئی دہلی ۱۹۸۷ء ص ۱۸۵

ڈراما آگرہ بازار نظیر کی محض سوانح بننے کے بجائے اس دور کی تاریخ بن کر سامنے آتا ہے اس ڈرامے میں ایسے بہت سے مواقع آتے ہیں کہ جب اس کا پلاٹ فکشن کے حدود سے نکل کر تاریخ کے دائرے میں داخل ہوتا نظر آتا ہے۔ ڈراما آگرہ بازار اپنے بنیادی نظام میں

جمہوری اور سماجی سروکار سے جڑا ہو ہے۔اس میں جو نظمیں پیش کی گئی ہیں وہ اخلاقی اقدار سے بھری ہوئی ہیں جس میں ہندوستانی زندگی کی گونا گوں تصویر اور رنگ رلیوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے جس کے مرکز میں عام آدمی کی صورت حال کی تفصیل ہے۔

آگرہ بازار ڈرامے میں المیہ اور طربیہ ڈرامے کا حسین امتزاج ہے۔حبیب تنویر نے اس ڈرامے کو طربیاتی المیہ بنانے کے بجائے المیاتی طربیہ بنانے کی کوشش کی ہے۔اس کے سبھی قصے کسی نہ کسی سماجی، سیاسی یا اقتصادی المیہ کو پیش کرتے ہیں۔وہ چاہے ککڑی والے، تربوز والے یا مداری کی گفتگو ہو یا ککڑی والے کی نظم لکھانے کی جدوجہد۔شاعر نما آدمی اور ہمجولی کے مکالمے اس دور کے ادب کی تنگ دامنی کا المیہ پیش کرتے ہیں۔تذکرہ نویس اور کتب فروش کی گفتگو سے سیاسی، سماجی، ادبی اور تاریخی المیہ کو پیش کیا گیا ہے۔گویا پہلے ایکٹ کے ہر منظر میں طربیہ یا المیہ یا ان دونوں کے حسین امتزاج کو پیش کیا گیا ہے۔دوسرے ایکٹ کے تمام مناظر میں جیسے گھوڑوں کے تاجر کے واقعات، طوائف بے نظیر کے واقعات اور اس کی گفتگو اور ادیبوں اور پھیری والوں کے قصوں وغیرہ میں المیہ و طربیہ عناصر پائے جاتے ہیں۔

آگرہ بازار کے پلاٹ میں تاریخی واقعات کی سچائیوں کے علاوہ ان تاریخی واقعات میں کچھ کمیاں بھی موجود ہیں ڈرامے کا پلاٹ کے واقعات ۱۸۱۰ء پر مبنی ہے لیکن یہ بیسویں تک پھیلا ہوا ہے۔اس میں تاریخی جو کمیاں ہیں وہ ذوق کے بہادر شاہ ظفر کے استاد بننے، نصراللہ بیگ کی وفات اور میر امن کی باغ و بہار کے زمانۂ تصنیف کے سلسلے میں ہے۔لیکن ان خامیوں کے باوجود آگرہ بازار حبیب تنویر کا ایک کامیاب ڈراما ہے۔

کردار نگاری کے اعتبار سے بھی ڈراما آگرہ بازار ایک کامیاب ڈراما ہے۔ اس میں بظاہر تو کوئی مرکزی یا ہیرو کا کردار نہیں ہے لیکن اس کے ہر کردار امتیازی اوصاف اور انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اور وہ کسی نہ کسی طرح قصے یا کہانی کو آگے بڑھانے میں مددگار رہیں۔اس ڈرامے میں متحرک اور غیر متحرک دونوں طرح کے کردار ہیں۔ ککڑی

والا،تربوز والا،لڈو والا اور پتنگ والا وغیرہ یہ سب ایسے کردار ہیں جو متحرک ہونے کے ساتھ ساتھ جاندار بھی ہیں جس میں زمانے کو اوراس کے ساتھ اپنے آپ کو بدلنے کی قوت اور صلاحیت ہے۔ ان کرداروں میں نظیر کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔اس علاوہ تذکرہ نویس،شاعر نما آدمی اور کتب فرش وغیرہ یہ ایسے کردار ہیں جو غیر متحرک اور غیر جاندار ہیں جو اسد دور ادیبوں اور شاروں کی نمائندگی کرتے ہیں یہ زمانے کے بدلنے کا شکوہ تو کرتے ہیں لیکن خود کو قدیم روایت سے جوڑے ہوئے ہیں۔سپاہی اور شہدے کے کردار اقتدار کی خودمختاری اور کے بدعنوان روے کو دکھاتے ہیں۔

جہاں تک آگرہ بازار ڈراما کے مکالمے کا تعلق ہے تو اس کے سبھی مکالمے موقع محل اور کردار کے طبقات کے اعتبار سے مناسب اور موزوں ہیں اس میں تکلف اور تصنع سے گریز کیا گیا ہے۔یہ مکالمے کرداروں کو حرکت وعمل بخشنے کے ساتھ ساتھ کرداروں کی شخصیت کو بھی واضح کرتے ہیں اور قصے کو بھی آگے بڑھاتے ہیں۔ڈراما آگرہ بازار زباب وبیان اور اسلوب کے اعتبار سے بھی ایک کامیاب ڈراما ہے۔اس میں موقع محل اور کرداروں کی شخصیت کے اعتبار سے زبان وبیان کا استعمال کیا گیا ہے۔بازار میں پھیری والے اور عام آدمیوں کے ذریعے بولی جانے والی زبان خالص بول چال کی زبان ہے جو آگرہ اوراس کے آس پاس کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔جس میں ایک طرح کی روانی اور دلکشی ہے۔وہیں کتب فروش کی دوکان پر شاعر وادیبوں کی ادبی زبان نفاست بھری ہے جس میں فصاحت اور بلاغت کا لحاظ رکھا گیا ہے جو اس دور کے ادیبوں اور شاعروں کی زبان ہے۔جسے حبیب تنویر نے مرزا فرحت اللہ بیگ کی کتاب دلی کی آوازیں سے اخذ کیا ہے۔شہدا اور طوائف بے نظیر کی زبان اس وقت کے اعلی طبقے کی محاوراتی زبان ہے۔حبیب تنویر نے اس ڈرامے میں کرداروں کے طبقے اوراس کے ماحول کے حساب سے زبان کا استعمال کیا ہے۔

آگرہ بازار جدید ہندوستانی اسٹیج کا وہ محور ہے جہاں سے ہندوستان میں بنیادی تھیئٹر کا عمل شروع ہوا۔اور ہندوستان میں ڈرامے کی ایک نئی تکنیک سے ڈراما لکھنے کا آغاز ہوا۔یہ

ڈراما جدید ڈراموں می سب سے زیادہ اسٹیج پر پیش ہونے والا ڈراما ہے۔آگرہ بازار ڈراما فن، اسٹیج اور پیش کش کے لحاظ بھی ایک مکمل اورکامیاب ڈراما ہے۔ حبیب تنویر اسے اپنی کامیابی کی بنیاد مانتے ہیں۔آگرہ بازار ڈرامے کو کلاسیکی ڈرامے کی طرح کسی روایتی اسٹیج یا تھیئٹر کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسے کہیں بھی اسٹیج بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ اس ڈرامے میں ڈراما اور پیش کش کی شاخت کو اتنا لچکدار رکھا گیا ہے کہ اس میں کردار بدل دینے یا اس کے قصے میں کچھ کاٹ چھانٹ کر دینے سے اس کے بنیادی تاثر میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ حبیب تنویر نے ''آگرہ بازار'' جیسا شاہکار ڈراما پیش کر کے اردو اسٹیج کی اکھڑتی ہوئی جڑوں کو نہ صرف مضبوط و مستحکم کیا ہے بلکہ اسے جدید ڈراموں جوڑ کر اردو ڈرامے کو ایک نیا اسلوب اور لب ولہجہ دیا ہے۔

☆☆☆